ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ڈاکٹر مرزا سعید الظفر چغتائی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

پیرانہ سال مارکسم رُڈین شون[1] فرانس کے مشہور عالم اور سماجیات کے ماہر ۱۹۶۶ء میں "اسلام، قومیت اور اشتراکیت" کے موضوع پر پیرس کے کلب دے کاتر وان[2] (چاروں ہواؤں کا کلب) میں گفتگو کے دوران کہنے لگے "بولوارسیں مشل پر اگر تمھیں اوسط قد کا کوئی معمر شخص، سوٹ میں ملبوس، کھچڑی داڑھی والا، اونی ٹوپی پہنے پُرو قار چال سے ماحول پر ہمدردانہ نیم متبسم نگاہ ڈالتا ہوا گزرتا مل جائے تو سمجھ لو ڈاکٹر حمید اللہ[3] ہیں۔ اگلے وقتوں میں جو ولی اللہ (سینٹ) ہوا کرتے تھے، اُن کا آخری نمونہ یہی ہے۔" سوربون میں رُڈین سون ڈاکٹر صاحب موصوف کے ہم سبق بھی رہے ہیں۔

الجزائری جنگ آزادی کے پُر ہول زمانہ میں ادنیٰ سے شبہ پر فرانس میں کوئی بھی شخص گرفتار ہو سکتا تھا اور پھر اس پر وہ تمام مظالم کیے جاتے جو فرانسیسیوں نے جنگ عظیم ثانی

---

1 MAXIM RODINSON

۲ CLUB DES QUATRE VENTS

۳ ڈی لٹ (پیرس) پی ایچ ڈی (بون یونیورسٹی) سابق استاد، عثمانیہ یونیورسٹی

کے دوران نازیوں سے سیکھے تھے ۔ ایک دن ڈاکٹر حمید اللہ کے دروازہ کی گھنٹی بجی، کھولا تو ایک فوجی پوری یونیفارم میں کھڑا تھا۔ آپ ڈرے، وہ اجازت لیکر اندر آیا اور کہنے لگا "پچھلے کچھ دنوں سے الجیریا میں شقاوت اور بربریت کے اتنے مظاہرے دیکھنے میں آئے ہیں نہ صرف اپنے ہموطنوں کی قومیت بلکہ اُن کے مذہب سے بھی مجھے نفرت ہوگئی ہے ۔ بمشکل اپنا تبادلہ جرمنی کرایا یا ہوں ۔ اثنائے راہ میں چند گھنٹے پیرس میں ملے ۔ مسجد سے آپ کا پتہ پوچھ کر سیدھا چلا آرہا ہوں ۔ مظلوموں کی اس سے زیادہ کوئی ہمدردی نہیں ہوسکتی کہ ان کا دینی بھائی بن جاؤں ۔ مہربانی فرما کر دستگیری فرمایئے اور اتنی دیر میں جو ضروری باتیں ہوسکیں بتادیجئے۔"

میں فروری ۱۹۶۳ء میں پیرس پہونچا تو موصوف اپنے سالانہ پروگرام کے مطابق استانبول میں تین مہینے درس دینے جاچکے تھے ۔ کئی ماہ بعد ملاقات ہوئی تو میں اندیشہ ہائے دور و دراز میں گھر چکا تھا اور تلخئ دوراں سے خاصا لذت آشنا ہوچکا تھا۔ لیکن اکتوبر ۱۹۶۹ء میں ہندوستان واپس آنے تک برابر نیاز حاصل رہا ۔ اور ان کی علمیت، اُصول پرستی، انسانیت دوستی، کمالِ اخلاص، شفقت، انکسار، کم گفتاری اور چھپ کے اپنی شخصیت پر پردہ ڈال کے بے لوث، بے غرض نیکی کے مظاہرے قدم قدم پہ دیکھتا رہا۔

کئی بار زمین دوز ریل (مترو) میں ہم سفری میسر آئی لیکن جلد ہی ہم لوگوں نے اُن کے ساتھ مترو میں نہ داخل ہونے کی کوشش شروع کردی ۔ ان کی بزرگی کے پیش نظر اُن کے آگے کون چلتا۔ وہاں کے قاعدہ کے مطابق ٹرین میں داخل ہوتے ہی ٹکٹ چیک کرا لیتے ہیں اور ایک تاریخ اور وقت پڑا ہوا ٹکٹ فی کس پورے پیرس میں کہیں کے ایک سفر کے لئے کافی ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب داخل ہوتے وقت اپنے ٹکٹوں کا کتابچہ خالی کرکے سارے رفیقوں کو مفت داخل کرا دیتے ۔ خود ٹرین میں سارے وقت کھڑے رہتے اس لئے کہ بنچیں کم ہوتی ہیں اور اُن پر بیٹھنے کے زیادہ مستحق بچے، عورتیں، مریض، کمزور اور معذور

ہوتے ہیں جو اکثر سفر کرتے ہیں۔"

موصوف بڑے راسخ الاعتقاد اور مسلم علمی، ثقافتی تحریکوں کے پرجوش حامی اور اور سرپرست ہیں۔ "میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" کا الزام ان کے سر نہیں آتا۔ تحقیق کرتے ہیں، تاویل نہیں۔ میرے ایک پاکستانی دوست شیخ احمد بابری نے پیرس کے لاتعداد آثار قدیمہ کا ذکر کیا تو کہنے لگے جب تک طالب علم تھا صرف ایک اثرِ قدیم سے واقف تھا اور وہ ہے قومی کتب خانہ (ببلیوتک نسیونال[۳]) اپنی ہمہ تن باخبری کے باوجود طالب علمی اور انہماک کا اب بھی یہی عالم ہے۔

یہ یوسف دامن تمام عمر مجرد رہے، مگر طبیعت میں سختی، تشدد، نوجوان دشمنی کے برعکس محتاط مزاجی اور شگفتگی دیکھی۔ مسلم طلباء کی انجمن میں ساجی۔ ثقافتی، جغرافیائی، تاریخی اور معاشی مسائل پر گفتگو میں پابندی سے حصہ لیتے۔ ایک دن میں نے شکایت کی کہ "بہت کم لوگ آتے ہیں" تو مسکرائے اور بولے "لوگوں کو بہت سے کام ہوتے ہیں" یہ نکتہ ہم لوگ بخوبی سمجھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھنے کے بڑے داعی ہیں۔ کرسمس کے موقع پر دوسروں کے نام سے بے بضاعت یکہ و تنہا معمر عیسائی عورتوں اور مردوں کو تحفے بھجواتے رہتے تھے۔ آخر ش راز کھل گیا اور ایک پادری نے کلب میں کرسمس کی سالانہ تقریر کا موضوع "عیسائیوں کے لئے ایک برگزیدہ مسلمان کا جذبۂ مواخات بنایا۔"

حمید اللہ قیام فرانس اور سوربون کی تعلیم کے باعث طبعاً زیادہ تر فرانسیسی میں لکھتے ہیں اور اُن کی ہر کتاب سند اور حوالہ کا حکم رکھتی ہے۔ قرآن شریف کے بہت سے ترجمے فرانسیسی میں موجود تھے آپ نے ٹھیٹھ مسلم نقطۂ نگاہ سے ترجمہ کر کے چھاپنے کی اجازت اور

---

۳ BIBLIOTHEQUE NATIONALE

امداد یونسکو اور فرانسیسی کے قومی تحقیقاتی ادارہ (سے ان ار اِس ش) سے لی اور اُس کے مقدمہ پر دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کے ان تمام مکمل یا جزوی ترجموں کی فہرست کا اضافہ کیا۔ جن کی انھیں اطلاع مل سکی۔ ان کی ذاتی کتابوں میں بیسیوں زبانوں کے ترجمے موجود ہیں اور وہ سبھی یورو پی عالموں کی طرح اپنی معلومات کو تازہ کرتے رہتے ہیں۔

حمید اللہ صاحب سات آٹھ زبانیں: اردو، انگریزی، فارسی، عربی، ترکی، فرانسیسی اور جرمن بے تکلفی سے بولتے ہیں۔ اور ایک ہی نشست میں مختلف احباب کی ترجمانی اُن مختلف زبانوں میں کرتے ہیں۔ میں نے انھیں دیکھا ہے خیال ہوتا ہے کہ رسم خط سے شُد بُد انھیں پندرہ بیس زبانوں سے ضرور ہوگی

ڈاکٹر صاحب فرانسیسی پر ایک بہت مفصل اور ضخیم تحقیقی کتاب کے مصنف ہیں۔ انصاف، محبت اور نگاہ کی گہرائی چاہیئے تو اُسے پڑھے اور بحثے۔ دوسری زبانوں والے شاید اس سے واقف نہیں۔

"اُسلام کے تعارف" پر آپ کی کتاب اپنے اختصار کے باوجود اتنی جامع اور معلومات افزا ہے کہ اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوگیا ہے اور ڈاکٹر صاحب اپنے پڑھنے والے سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ انھیں ترمیم و اضافہ کے لئے مشورہ دے۔

حمید اللہ صاحب نے ایک بار بعض علمی تحقیق کے لئے حکومت سعودی عرب سے اجازت چاہی، جس کا استانبول کے سعودی سفارت خانے سے یہ جواب ملا کہ "ہمارا ملک سیاحی کے لئے نہیں ہے۔ صرف حج یا عُمرہ کے لئے ماہ ذی الحجہ اور رجب میں ویزا ملتا ہے۔" ڈاکٹر صاحب اس جواب سے بڑے افسردہ ہوئے۔ اس کا ذکر آتا تو کہتے کہ "مسجدِ حرام کا راستہ بند کرنے کی بات تو قرآن میں ابو جہل کے لئے آئی تھی۔"

رویتِ ہلال کے جھگڑوں سے تو ہم سب واقف ہیں لیکن مُسلم دنیا میں تاریخیں برابر قمری ہجری تقویم کے مطابق لکھی جاتی رہی ہیں اور انھیں بین الاقوامی عیسائی کیلنڈر کے مطابق لکھنا مورخوں کا مستقل دردِ سر رہا ہے اور ہے۔ چنانچہ ہجری و عیسوی تاریخوں کی مطابقت (کونسی ڈنس) پر تمام علمی دُنیا میں کام ہوتا رہا اور عاجز آکر کوئی ناقص اصول اختیار کر لیا گیا۔ بعض جنتریوں میں یہ بیان ملتا ہے کہ باری باری سے ہجری سن کا ایک مہینہ ۲۹ کا اور دوسرا ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے روسی، ہسپانوی، جرمن، فرانسیسی اور انگریزی زبان کی مطابقتی جنتریاں جمع کر کے تحقیق کی اور سب میں یہی عیب پایا۔ بالآخر ٹورنٹو کی بین الاقوامی کانفرنس میں ان کی یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی کہ یہ کام ناقص ہے اور از سرِ نو کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کسی ہیئت داں کی خدمات کے منتظر تھے جو حساب لگا کر بتائے کہ پچھلے چودہ سو برس میں کس مہینہ اور کہاں چاند انتیس دن پر نکلا اور کہاں تیس دن پر۔ معلوم نہیں کس حد تک کامیابی ہوئی۔ ہیئت کی رُو سے ان جھگڑوں کا فیصلہ نہ کر کے ہمارے علماء نہ جانے کب تک مسلمانوں کی راہ میں کانٹے بوتے رہیں گے۔

مسلمانوں کے سماجی، نجی اور مذہبی معاملات کے بارہ میں ڈاکٹر حمید اللہ جمال الدین افغانی کی اس انقلاب انگیز رائے کے زبردست حامی ہیں کہ علماء اور فقہا کا بین الاقوامی بورڈ قائم کیا جائے۔ آپ کی نگاہ میں تنظیم کا یہ نقشہ ہے: ملک میں علماء کا ایک مرکز ہو۔ تمام استفتاء اسی کو بھیجے جائیں۔ یہ مرکز سوال نامے بین الاقوامی مرکز کو بھیج دے، جو قاہرہ، استانبول یا پیرس میں قائم کیا جا سکتا ہے۔ بین الاقوامی دفتر سے سوال نامہ مختلف ملکی مرکزوں اور ان کے ذریعہ مشہور علماء کو بھیجا جائے۔ بین الاقوامی مرکز موصول شدہ جوابات کو مدوّن کر کے جمہوری رائے سوال کنندگان کو بھجوا دے۔ اس طرح جوابات تاریخی روشنی میں نمو پذیر ہوتے جائیں گے اور عین ممکن ہے کہ جو جمہور علماء کا جواب آج موصول ہو دس سال بعد معاملہ اس کے برعکس رونما ہو۔ لیکن ہمیشہ عصری جواب کو فوقیت حاصل ہونا چاہیئے۔

میرے خیال میں مذہب کی گرفت افراد پر سے ڈھیلی کر کے زمانہ نے یہ مسئلہ خود بخود حل کر دیا ہے۔ رہے اجتماعی مسائل، تو مختلف فرقے اختلاف بڑھانے کے لئے بنے ہیں۔ گھٹانے پر کیسے رضامند ہوں گے۔ اسی باعث حمید اللہ کی اس رائے کی کسی گوشہ سے تائید سننے میں نہیں آئی۔ موتمر عالمی کی تازہ ترین کوششیں شاید کچھ کام کر جائیں۔

حمید اللہ اسلامی دنیا پر انسائیکلوپیڈیائی معلومات کے حامل ہیں۔ مادام میُورا وِچ نے اقبال کے جاوید نامہ، پیام مشرق اور خطبات کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا تو ایک ایک سطر حمید اللہ کے سامنے پڑھی اور متن سے ملائی۔ خود میرے ترجمۂ بال جبریل کے ساتھ انھوں نے ایسی ہی سخت محنت کی۔ مگر اس بات کے روادار نہ ہوئے کہ ہم تعارف میں ان کی نوازشات کا شکریہ ادا کریں۔

جرمن نژاد امریکی پروفیسر خاتون اَنّا ماری شمل ابھی حال میں ہندوستان آئی تھیں، دہلی کے علاوہ مسلم یونیورسٹی میں انھوں نے رومی، اقبال اور ہندوستان کے مسلم تصوف پر چار لکچر دیئے۔ رومی پر ان کا مطالعہ زیادہ گہرا اور پرانا ہے۔ کتاب ابھی حال میں ہارورڈ یونیورسٹی سے شائع کی ہے۔ اقبال پر "بال جبریل" ہی کے نام سے انگریزی میں ایک بصیرت افروز کتاب شائع کر چکی ہیں۔ اس کا مجھے حمید اللہ صاحب کا ذاتی نسخہ فوراً پڑھنے کو مل گیا تھا اور معلوم ہوا تھا کہ لکھتے وقت فاضل مصنف نے اُن سے بڑی گفتگو اور خط و کتابت کی تھی۔ شمل خود بھی ہندوستان، مغربی ایشیا اور یورپ کی سولہ سترہ زبانیں جانتی ہیں۔ یہ کتاب دینے حمید اللہ صاحب بہ نفس نفیس ایک معمولی طالب علم کے کمرہ تک تشریف لے گئے تھے۔

ڈاکٹر صاحب سے اکثر خط و کتابت رہی اور رہتی ہے۔ ایک خط میں یہ گراں قدر مشورہ ملا جو سنہرے حرفوں میں لکھنے کے قابل ہے کہ "اپنی تحریر کو اپنے مزاج کی طرح سادہ بناؤ۔"